ساجد حمید

صبر کیا ہے، اسے کیسے حاصل کریں؟

(۵)

عہد معاہدہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

صبر کے مواقع میں سے ایک اہم معاملہ عہد کے ایفا کرنے کا ہے۔ عہد ہم لوگوں سے بھی کرتے ہیں اور خدا کے ساتھ بھی ہمارے معاہدے ہیں۔ ہم سب انسانوں نے خدا سے کچھ معاہدات کیے ہیں۔ جیسے:

۱۔ عہد الست یہ عہد ربوبیت ہے۔ جس میں ہم نے اللہ سے عہد باندھا تھا کہ آپ ہمارے رب ہیں۔ ہم زندگی بھر اس عہد پر قائم رہیں گے۔ اچھے برے حالات میں ہم اس معاہدے کو نبھائیں گے۔ (الاعراف ۷: ۱۷۲)

۲۔ دوسرا عہد عہد نبوت کا ہے۔ اس میں اللہ نے ہم سے عہد لیا تھا کہ میری طرف سے آنے والی ہدایت کو قبول کرنا۔ اس کا ساتھ دینا اور اسے اپنانا تو میں تمھیں ایسی زندگی دوں گا جس میں نہ کوئی غم ہو گا اور نہ کوئی حزن۔ (البقرہ ۲: ۳۸)

۳۔ تیسرا عہد عہد امانت ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا کی خلافت بخشی ہے۔ ہمیں اس امانت کو سونپ کر ہمارا امتحان لیا جانا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب کے آخر (۳۳: ۷۲) میں اس عہد کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ہم نے یہ عہد جب پہاڑوں اور دیگر مخلوقات کے سامنے رکھا تو وہ اس ذمہ داری کا احساس کر کے کانپ اٹھے۔

ان معاہدوں پر قائم رہنا ہماری ذمہ داری ہے۔ اگر ہم نے ان عہدوں کو وفا کیا تو یہی صبر ہے۔

اسی طرح اس دنیا میں کاروبار کرتے ہوئے، قومی و ملی کام سرانجام دیتے ہوئے، شادی بیاہ اور دیگر عائلی

معاملات کرتے ہوئے ہم لوگوں کے ساتھ عہد باندھتے ہیں۔ مگر ان سب میں سے ایک بڑی اکثریت عہد پورے نہیں کرتی۔ شادی کے بعد بیوی پر ظلم اس عہد کی خلاف ورزی ہے جو ہم خدا کی آیات پڑھ کر باندھتے ہیں۔ اس کا حق مہر ادا نہ کرنا اسی عہد کی خلاف ورزی ہے۔ اس کے کھانے پینے اور رہنے کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق گھر نہ لے کر دینا اس عہد کی خلاف ورزی ہے۔ ساس کے مظالم سے اسے نہ بچانا شوہر کی طرف سے اس عہد کی خلاف ورزی ہے۔

ایک عہد ہمارے رشتہ سے بندھتا ہے۔ وہ ہمارے والدین کا حق ہے۔ یہ ایسا ہی حق ہے جیسا اللہ کا حق ہے اس لیے کہ اس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور والدین نے ہمیں جنم دیا ہے بالخصوص والدہ کا حق ہے۔ (البقرہ ۲: ۸۳) یہ دونوں اگر چاہتے تو اس وقت ہمارا گلا دبا کر مار ڈالتے جب ہم ایک پانی کا قطرہ بھی اپنے منہ میں نہ ڈال سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے ہمیں پالا پوسا ہے۔ بڑا کیا ہے۔ اس تعلق کی بنا پر ان کے اور ہمارے درمیان ایک عزت واحترام کا رشتہ بنتا ہے۔ ہمیں چارو ناچار ان کی عزت کرنی ہے۔ ان کے بارے میں قرآن نے یہ کہا ہے کہ ان کی سختیوں پر بھی انھیں اونہہ تک بھی نہ کہو۔ (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۳)

انھی والدین کی طرف سے ہمارے کچھ رشتے وجود میں آتے ہیں۔ ان سے بھی والدین کی خاطر ہی ہمارا تعلق حسن سلوک کا بنتا ہے۔ ادب واحترام اور حسن سلوک میں والدین کے بعد ان کا درجہ آتا ہے۔ ان کے ساتھ ہمارا یہ تعلق صلہ رحمی کہلاتا ہے۔ اس عہد کو بھی ہمیں پورا کرنا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

انھی والدین کے ذریعے سے ہمارا ایک رشتہ آدم وحوا سے بنتا ہے۔ اور ان کے رشتے سے ساری دنیا کے انسان ہمارے بھائی ہیں۔ قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ ان سب کے ساتھ اور کچھ نہیں تو بھلی بات کرو۔ (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۳)

بنی نوع انسان کے ساتھ ہمارا ایک اور بہت ہی گہرا تعلق خدا کی مخلوق ہونے کے ناتے بنتا ہے۔ یہ تعلق یہ ہے کہ ساری دنیا کے انسان ہمارے رب ہی کی مخلوق ہیں اور ان کا پروردگار وہی ہے۔ اسی نے ان کو پیدا کیا ہے اور وہی ان کا نگران ہے۔ وہ ان میں کسی کے ساتھ ظلم کو برداشت نہیں کرتا۔ جس نے ایسا کیا وہ قیامت کے دن اس سے حساب لے گا۔

غرض یہ کہ بہت سارے عہد ہیں جو ہمارے ذمہ ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو ہم خود باندھتے ہیں، کچھ وہ ہیں جن میں ہم خدا سے اور لوگوں سے بندھے ہوئے ہیں۔ ان سب کو پورا کرنا ہی صبر ہے۔ خواہ حالات کیسے ہوں۔ ان سب کا رویہ ہمارے ساتھ کیسا ہی ہو۔

انسانوں کے ساتھ ہمارا تعلق

انسانوں کے ساتھ ہمارا تعلق یہ ہے کہ ہمیں ان کا ساتھ دینا ہے۔ یہ ساتھ دو طرح سے ہے، ایک یہ کہ انھیں ہماری ضرورت ہو تو ہم ان کے کام آئیں، ان کے کچھ حقوق ہم پر عائد ہوتے ہوں تو وہ پورے کریں۔ (حدیث) دوسرے یہ کہ اگر وہ غلط چلنے لگیں تو ان کو روکیں انھیں حق بات کی نصیحت کریں اور حق پر قائم رہنے کی نصیحت کریں۔ (سورۂ عصر)

عدل

ہماری اجتماعی زندگی میں عدل ایک نہایت ہی اہم چیز ہے۔ اس پر قائم رہنا نہ صرف دینی فریضہ ہے، بلکہ انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں ایک نہایت ہی بڑی قدر Value ہے۔ انسانوں کی بسائی ہوئی کوئی تہذیب ایسی نہیں ہے، جس میں عدل کسی نہ کسی طرح موجود نہ رہا ہو۔

دین اسلام میں بھی یہ ایک بڑی قدر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں اس کو اتنی ہی کم حیثیت حاصل ہے، جتنی زیادہ اسلام میں اسے اہمیت دی جاتی ہے۔ قرآن مجید نے سورۂ آل عمران (۳: ۱۸) کے آغاز میں اسے ایک نہایت ہی اہم اور بنیادی مطالبہ کی طرح سے پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سارے مقامات میں اس حکم کے مختلف پہلو واضح کیے ہیں۔ اجتماعی زندگی میں عدل تقویٰ کی انتہا ہے۔ اگر آدمی اجتماعی زندگی میں عدل پر قائم نہیں ہے تو وہ جان لے کہ متقی نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ:

۱۔ تم عدل کرو خواہ اپنے عزیزوں کے خلاف ہی عدل کیوں نہ کرنا پڑے۔ (الانعام ۶: ۱۵۲)

۲۔ کسی کی دشمنی بھی تمھیں عدل کرنے سے نہ روکے۔ (المائدہ ۵: ۸)

۳۔ عدل کرو اس لیے کہ تقویٰ کا عمل یہی ہے۔ (المائدہ ۵: ۸)

۴۔ اللہ قائم بالقسط ہے۔ (آل عمران ۳: ۱۸)

۵۔ اللہ نے ایک میزان قائم کر رکھی ہے۔ اور تم بھی اے لوگو میزان کو سیدھا رکھو۔ (الرحمٰن ۵۵: ۷۔ ۸)

ہماری گھریلو زندگی ہو یا گھر سے باہر کی ہر جگہ ہمیں عدل کرنا پڑتا ہے۔ کبھی ہماری والدہ اور ہماری بیوی کے درمیان، کبھی میاں اور بیوی کے درمیان، کبھی بھائی اور بھائی کے درمیان، کبھی ہمسائے اور ہمسائے کے درمیان، کبھی ماں باپ اور اولاد کے درمیان اور کبھی بیٹے اور بیٹی کے درمیان مگر ہم اس میں بہت کوتاہی کرتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ایک عام کوتاہی

سب سے بڑی کوتاہی تو ہم سے یہ ہوتی ہے کہ بالعموم ایک فریق کی بات سن کر دوسرے کے بارے میں رائے قائم کر لیتے ہیں اور پھر اسے عام کرتے پھرتے ہیں۔ یا اس کے لحاظ سے اس کے ساتھ معاملات کرنے لگ جاتے ہیں جو کہ اصلاً غلط ہے۔ کسی کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے خواہ وہ چہرے پر ملال لانے کا عمل ہو، محض سنی سنائی باتوں کی بنا پر نہیں ہونا چاہیے۔

اس ضمن میں قرآن مجید نے ہمیں یہ ہدایت دی ہے کہ کسی کے خلاف اقدام کرنے سے پہلے ناگزیر ہے کہ تم تحقیق خبر کر لو۔ (سورۂ حجرات) کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان کے خلاف اقدام کرو اور وہ بے قصور ہوں اور پھر تمھیں شرمندگی ہو یا کوئی اور نقصان اٹھانا پڑ جائے۔

عدل ہماری زندگی میں اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ ہماری تعمیر ملت میں نہایت اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری ملت یا قوم دنیا کی اچھی اقوام میں شامل ہو۔ یا یہ ترقی کرے اور بام عروج کو پہنچے تو اس کے لیے لازمی شرط یہی ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی معاملات میں عدل کریں۔

گھر میں بچوں سے لے کر حکومت میں دشمنوں سے معاملہ کرنے تک ہر ہر موقع پر ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم عدل کریں۔ یہ ہم سے زندگی کے ہر موڑ پر ہر طرح کے حالات میں مطلوب ہے۔ ایسا کرتے رہنا عدل کے مطالبے میں صبر ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اعلیٰ اخلاق

اخلاقی رویہ میدان عمل کی طرح ایک ذہنی عمل بھی ہے۔ اس کی مثال ایمان اور اسلام کی سی ہے۔ ایمان قلبی چیز ہے اور اسلام اس کے مطابق زندگی گزارنے کا نام ہے۔ ٹھیک ایسا ہی معاملہ اخلاق کا ہے۔ اس کا ایک حصہ ذہنی و فکری ہے اور دوسرا حصہ عملی ہے۔ عملی لحاظ سے شریعت کا تقاضا ہر شخص پر واضح ہے۔ یعنی یہ کہ آدمی درج ذیل امور کا خیال رکھے:

۱۔ لین دین میں دیانت داری

۲۔ معاملات زندگی میں انصاف پسندی

۳۔ ملنے جلنے میں قول حسن پر عمل

ذہنی اخلاق کے معنی یہ ہیں کہ آدمی:

۱۔نیت کا مثبت ہونا

۲۔ ہر چیز کو مثبت رخ سے دیکھنا

۳۔اپنی نگہ داری

پہلی دو چیزوں کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے، تیسری چیز جس کی وضاحت ہونی چاہیے، وہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کے ساتھ قول حسن اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ، وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا. (البقرہ۲:۸۳)

''اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کروگے، والدین کے ساتھ احسان کروگے، قرابت داروں، یتیموں، اور مسکینوں کو (ان کا حق دوگے) اور (ان کے علاوہ) لوگوں سے بھلی بات کرو۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اس آیت سے درج ذیل اخلاقی احکام سامنے آتے ہیں:

۱۔اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا۔

۲۔اللہ کے اس حق کو ادا کرنے کے بعد دوسری اہم چیز والدین سے حسن سلوک کرنا۔

۳۔حق داروں کا حق ادا کرنا، جیسے رشتہ دار، یتیم اور مسکین۔

۴۔عام لوگ جو نہ رشتہ دار ہیں، اور نہ یتیم و مسکین ہیں، ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔

یہ اخلاقی تقاضے عملی ہیں۔ ان پر قائم رہنا نہایت ضروری ہے۔ اور جو شخص ان پر اچھے برے حالات میں قائم رہے گا وہ اس میدان میں صابر آدمی ہے۔ یہاں چونکہ ہم عملی اخلاقیات تک محدود رہیں گے اس لیے دوسرے گروپ کے تینوں پہلو ہم آگے چل کر واضح کریں گے۔

(باقی)